مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ

سفر حجاز

حجاز مقدس اور دیار نبی ﷺ کی زیارت ہر مسلمان کی دلی تمنا اور دیرینہ آرزو رہی ہے۔ ہمیشہ سے اس منزل مراد کی جانب عشاق کے قافلے سرگشتگی اور دیوانگی کے عالم میں خراماں خراماں کشاں کشاں رواں دواں رہے ہیں۔ محبوب کے وصال و قرب کی داستانیں تو ہمیشہ سے ہم سنتے چلے آرہے ہیں لیکن یہ ایک ایسے محبوب اور اس دیار کے سفر کے واردات قلبی ہیں' جنہیں پڑھ کر ایک روحانی سکون اور پرکیف سرشاری کا ایک ایسا عالم طاری ہوتا ہے "جو روح کو تڑپا دے اور قلب کو گرما دے"۔ زیر نظر مضمون دراصل مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ کے روح پرور "سفرنامہ حجاز" کے چند اقتباسات پر مشتمل ہے۔ جو کہ ربیع الاول کی مناسبت سے نذر قارئین کیا جاتا ہے۔ (مدیر)

مدینہ

بوئے یار مہربانم می رسد	بوئے جاناں سوئے جانم می رسد
باز آمد آب مادر جوئے ما	باز آمد شاہ ما در کوئے ما

۱۱۔اپریل ۲۹ء پنجشنبہ' یکم ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ آج کی صبح کتنی مبارک صبح ہے۔ آج کے دن زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہونے کو ہے۔ آج ذرہ آفتاب بن رہا ہے۔ آج بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے۔ آج گنہگار امتی کو شفیع و شفیق رسول اللہ ﷺ کے آستانہ پر سلام کی عزت حاصل ہو رہی ہے! ہندوستان کی عورتیں ذیقعدہ کو "خالی" کا مہینہ کہتی ہیں' پر جس کے نصیب میں اس "خالی" مہینہ میں اس دولت سے مالا مال ہونا مقدر ہو چکا ہو وہ اس مہینہ کو کیا کہہ کر پکارے؟ "جمعرات" کو شاید قافیہ کی رعایت سے "پیروں کی کرامات" کہتے ہیں' ہر جمعرات ایسی ہی ہوتی ہو گی لیکن کس جمعرات کو کسی کی قسمت میں یہ کرامت لکھی ہو۔ اس کا توجی میں آتا ہے کہ پیروں اور بزرگوں کی نہیں' تباہ کاروں اور سیاہ کاروں کی کرامات نام رکھے! --

عاذلا چند ایں صداع و ماجرا   پندکم دہ بعد ازیں دیوانہ را
غیر جدآں نگار مقلم   گرد وصد زنجیر آری بگسلم
وقت آں آمد کہ من عریاں شوم   جسم بگزازم سراسر جاں شوم

شب منزل بیر حسان میں گزاری تھی۔ صبح سویرے روانہ ہوئے اور سات بجے مسجد میں دم لیا۔ سرزمین طیبہ کے انوار و آثار صبح ہی سے شروع ہو گئے تھے۔ روحانی انوار تو خیر جس کسی کو نظر آتے ہوں گے اس کیلئے ہیں۔ باقی مادی فضا و خوش آئند تبدیلیاں تو ہم بے بصروں کو بھی محسوس ہو رہی تھیں۔ خوش عقیدگی کا سوال نہیں، محض ثبات حواس ادراک کی ضرورت ہے؟۔ ۹ بجے کھڑے کھڑے چند منٹ کیلئے ایک اور منزل پر رکے۔ اس کا نام اس وقت یاد نہیں آتا۔ یہ آخری منزل ہے۔ اس کے بعد کوئی اور درمیانی منزل نہیں، صرف منزل مقصود ہے۔ اب گویا نواح رینہ شروع ہو گیا۔ کھجور نہایت شاداب و شریں سامنے لگے ہوئے۔ ہوا لطیف و خوشگوار، فضا خوش منظر، سبزہ جو راستہ بھر کہیں نظر نہیں آیا۔ اب ہر طرف دکھائی دے رہا ہے۔ ریت کے میدان اور ریگستان کے بجائے اب ہر طرف پہاڑیوں کا سلسلہ، سڑک اتنی ہموار اور نفیس کہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں نہیں ہندوستان میں سفر کر رہے ہیں۔ دس بجے، سوا دس بجے، ساڑھے دس بجے، ادھر وقت کی گھڑیاں گزر رہی ہیں اور ادھر دلوں کا شوق و اشتیاق ہے کہ ہر منٹ، ہر سکنڈ بڑھتا جا رہا ہے۔ کسی کے ہاتھ میں مناسک و آداب زیارت کے رسالے ہیں۔ وہ انہیں دیکھ دیکھ کر دعائیں یاد کر رہا ہے اور کوئی خالی درود شریف کا ورد کیے جا رہا ہے۔ ہر قلب اپنے اپنے حال میں گرفتار، ہر دل اپنی اپنی جگہ مضطرب و بے قرار، کسی کی آنکھیں اشک بار اور کسی کا دماغ نشہ لذت و فرحت سے سرشار! اپنی نسبتیں اور اپنا اپنا اعتبار!۔ فقیہ نامور صاحب فتح القدیر ابن ہمام نے لکھا ہے: "کل ماکان فی الادب والاجلال کان حسنا" (ادب و تعظیم کے خیال سے جو کچھ بھی کیا جائے اچھا ہی ہے)۔ سارا قافلہ ذوق و شوق کی تصویر اور تو اور نجدی شوفر تک چند لمحوں کیلئے بجائے "نجدی" کے "وجدی" بنا ہوا۔ "مولانا مناظر فرط گریہ سے بیتاب ضبط و احتیاط کے باوجود بھی چیخ نکل جانے پر مجبور، ایک سرگشتہ و دیوانہ، عقل سے دور علم سے بیگانہ، نہ گریاں نہ شاداں، نہ اپنی حضوری کی خوش بختی پر خوش اور نہ تباہ کاریوں کی یاد پر مغموم۔ محض اس الجھن میں گرفتار کہ یا الٰہی یہ بیداری ہے یا خواب؟ کہاں یہ ارض پاک اور کہاں یہ بے مایہ مشت خاک، خاک مدینہ کی سرزمین اور کہاں اس ننگ خلائق کی جبیں! کہاں سید الانبیاء علیہ ﷺ کا آستانہ اور کہاں اس روسیاہ کا سر و شانہ، کہاں وہ پاک سرزمین کہ اگر اس پر قدسیوں کو بھی چلنا نصیب ہو تو ان کے فخر و شرف کا نصیبا

جاگ جائے اور کہاں ایک آوارہ و ناکارہ بے تکلف اسے پامال کرنے کی جرأت کر بیٹھے۔ عراقی نے کہا تھا کہ ناپاک کے سجدہ کرنے سے زمین افراط اذیت سے چیخ اٹھتی ہے:-

بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد — تو مرا خراب کردی بہ ایں سجدہ ریائی

تو جب ہر معمولی اور عام خطہ زمین ریاکار کے سجدہ سے یہ ایذا محسوس کرتا ہے تو پھر اس عظمت و تقدس والی سر زمین کے جگر و سینہ پر ایک ریاکار کے بار قدم سے کیا گزر گئی ہو گی!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گنبد خضراء

طور کی چوٹیاں جس وقت کسی تجلیات جمالی کی جلوہ گاہ بننے لگیں تو پاکوں کے پاک اور دلیروں کے دلیر، موسیٰ کلیم تک تاب نہ لا سکے اور اللہ کی کتاب گواہ ہے کہ کچھ دیر کیلئے ہوش و حواس رخصت ہو گئے۔ معراج کی شب کسی کا جمال بے نقاب ہونے لگا تو روایات میں آتا ہے کہ اس وقت وہ عبد کامل جو فرشتوں سے بڑھ کر مضبوط دل اور قوی ارادہ کا پیدا کیا گیا تھا اپنی تنہائی کو محسوس کرنے لگا اور ضرورت ہوئی کہ "رفیق غار" کا تمثل سامنے لا کر آب و گل کے بنے ہوئے پیکر نور کی تسلی کا سامان کیا جائے۔ یہ سرگزشت ان کی تھی جو قدسیوں سے بڑھ کر پاک اور نورانیوں سے بڑھ کر لطیف تھے۔ پھر وہ مشت خاک جو ہمہ کثافت اور ہمہ غلاظت ہو جس کا ظاہر بھی گندا اور باطن بھی گندا اگر وہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد اقدس میں قدم رکھتے ہچکچا رہا ہو، اگر اس کا قدم رسول ﷺ کے روضہ انور کی طرف بڑھتے ہوئے لڑکھڑا رہا ہو، اگر اس کی ہمت رحمت و جمال کی سب سے بڑی تجلی گاہ میں قدم رکھنے سے جواب دے رہی ہو، اگر اس کا دل اس وقت اپنی بیچارگی و درماندگی کے احساس سے پانی پانی ہوا جا رہا ہو تو اس پر حیرت کیوں کیجئے؟ خلاف توقع کیوں سمجھئے؟ اور خدا کیلئے اس ناکارہ و آوارہ، بیچارہ و درماندہ کے اس حال زار کی ہنسی کیوں اڑائیے؟۔ مغرب کی اذان میں چند منٹ باقی تھے کہ قسمت کی یاوری نے باب النساء کے متصل ایک ہندی بزرگ مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی مد ظلہ، کی خدمت میں پہونچایا۔ موصوف ہمارے مولانا سید حسین احمد صاحب کے حقیقی بھائی اور سن میں ان سے بڑے ہیں۔ ۲۵، ۳۰ سال سے اپنے وطن ٹانڈہ ضلع فیض آباد سے ہجرت کیے ہوئے دیار رسول ﷺ میں حاضر ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿چال چلاؤ﴾

دن گزرتے دیر نہیں لگتی، دیکھتے دیکھتے روانگی کا زمانہ آن لگا۔ اور یہ تو خیر چند ہفتوں کا زمانہ تھا، جلد کٹ جانے والا تھا ہی ساری کی ساری عمریں ایسی ہی تیزی اور روانی کے ساتھ گزر جاتی ہیں، اور پتا بھی نہیں چلنے پاتا کہ بچپن کے کھیل کب کھیلے، جوانی کی نیند کب سوئے اور ضعیفی کے گوشہ تنہائی میں کب بیٹھنے پر مجبور ہوئے! ایک دن وہ تھا کہ مدینہ آنے کی آرزوئیں تھیں!...... کیسے کیسے منصوبے باندھے جا رہے تھے۔ کیا کیا خیالی پلاؤ پک رہے تھے، ذوق و شوق کی کیسی کیسی امنگیں دل میں اٹھ رہی تھیں۔ لب پر کیا کیا دعائیں تھیں اور ایک دن یہ آ گیا (اور گو آیا اپنے وقت ہی پر لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یک بیک آ گیا) کہ کوچ کی گھنٹی بج گئی۔ اب چال چلاؤ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بستر لپیٹے جا رہے ہیں۔ سامان باندھا جا رہا ہے، سواریوں کی فکر ہے، اور ایک ایک سے مل کر زبان پر الوداع والفراق!

ع آئے تھے کیا کرنے اور کیا کر چلے!

غفلت و شامت نے یہاں بھی ساتھ نہ چھوڑا اور وقت کی بے بہا دولت اتنی تمناؤں اور آرزوؤں کے بعد نصیب میں آئی تھی۔ وہ اس بے پروائی، بیدردی کے ساتھ ضائع کی گئی کہ شاید دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مسرف بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

چو پرسش گنہم روز حشر خواہد بود تمسکات گناہان خلق پارہ کنند

بہر حال جو کچھ ہونا تھا ہو کر رہا، تسکین و تسلی کا اگر کوئی ذریعہ اور کچھ سہارا ہے تو صرف یہ کہ دربار رحمۃ للعالمین کا تھا، اور سابقہ اس سے پڑنے والا ہے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

عصیان ما و رحمت پروردگار ما ایں را نہایتیست نہ آں را نہایتے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ذیقعدہ کی پہلی تھی، جب اس پھاٹک سے اس نور و برکت والے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ ذی الحجہ کی چوتھی کو اسی پھاٹک سے اس رحمت و مغفرت والے شہر سے باہر نکلے۔ جہاں ایک دن کا بھی قیام اگر میسر آ جائے تو تقدیر کی یاوری اور ابرار و متقین کی نصیبہ وری ہے، وہاں ایک دن نہیں، دو دن نہیں اکٹھے ۳۳ دن کی حاضری ایک تباہ کار نامہ سیاہ کو نصیب ہو گئی! شان کریمی کے بھی عجیب عجیب انداز ہیں، جس مفلس کو چاہیں، دم بھر میں مالا مال کر دیں، جس تہی دامن کو چاہیں ایک پل میں نواز دیں، جس ریگستان کو چاہیں آن کی آن میں

گلزار بنادیں۔ جس آتش کدہ میں چاہیں چشم زدن میں پھول کھلادیں' نہ کریم کا دست کرم کوتاہ ہونے والا ہے' نہ بخششوں کا خزانہ کبھی خالی ہونے والا ہے!

اے مبدل کردہ خاکے رابہ زر خاک دیگر را نمودہ بوالبشر
کار تو تبدیل اعیان و عطا کارما سہوست و نسیان و خطا
اے کہ خاک شورہ راتو نان کنی دے کہ نان مردہ راتو جان کنی
اے کہ جان خیرہ رار ہبر کنی دے کہ بے رہ را کہ پیغمبر کنی

یہ داستان درد اس وقت نہ سنیئے کہ وقت کی بیش بہا گھڑیاں ضائع کس بیدردی کے ساتھ ہوئیں۔ سوال اس وقت یہ نہیں کہ اپنے سے کیا بن پڑا بلکہ صرف یہ ہے کہ ادھر سے کیا کیا نوازشیں اور کیسی کیسی سرفرازیاں ہوتی رہیں! یہ نعمت کچھ کم ہے کہ حضوری کی توفیق اتنے عرصے تک نصیب کردی گئی۔ عصر حاضرہ کے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ صاحب سے ایک مرید نے شکایت کی کہ طائف میں چلہ باندھ کر روزانہ سوالاکھ مرتبہ اسم ذات کاذکر تار رہا اور کچھ ثمرات وانوار ظاہر نہ ہوئے۔ حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "ارے میاں یہ دولت کچھ کم ہاتھ رہی کہ چالیس دن تک اللہ پاک کا نام سوالاکھ مرتبہ روزانہ زبان سے نکلتا رہا!" بہر حال جو کچھ ہوا وہ اپنے حوصلہ سے کہیں بڑھکر۔

اعتراف ہے کہ آنکھوں نے جس مدینہ کو دیکھا' وہ بیسویں صدی کا مدینہ تھا۔ پہلی صدی عیسوی کے ربع اول کا مدینہ نہ تھا۔ صدیقؓ وفاروقؓ و علیؓ کا مدینہ نہ تھا۔ صحابہؓ و تابعین کا مدینہ نہ تھا۔ مجتہدین و آئمہ تصوف کا بھی مدینہ نہ تھا۔ خزاں میں موسم گل کی توقعات ہی کسی چمن سے کیوں قائم کی جائیں؟ لیکن بایں ہمہ مدینہ پھر مدینہ تھا' آج نہ سہی کبھی تو اللہ کے پیارے اور اس پیارے کے پیاروں کا شہر رہ چکا ہے۔ اس دوریاجوجیت میں اگر کہیں کوئی جگہ بھی پناہ کی ہے تو بجز اس آستان پاک کے اور کہاں ہے؟ آج رخصتی اس دربار سے تھی! آج کوچ اس جنت ارضی سے تھا! آج فراق اس دیار حبیب ﷺ کے گلی کوچوں سے ہو رہا تھا! آدمؑ جس طرح جنت سے جدا ہوئے ہیں' اس قصہ سے سب واقف ہیں' لیکن ابن آدم کو جب فخر آدم و فخر نسل آدم کی گلیوں کو چھوڑنا پڑتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر کیا گزرتی ہے' یہ داستان کون سنائے اور کس کو سنائے؟۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆